

فیضانِ تصوّف
اور
امام احمد رضا



خلیفۂ مجاز حضور تاج الشریعہ

حضرت علامہ ڈاکٹر غلام مصطفی نجم القادری

/muftiakhtarrazakhan1011/
/muftiakhtarraza
+92 334 3247192



www.muftiakhtarrazakhan.com



وارثِ علومِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

نبیرۂ حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ جانشین مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ

جگر گوشہ مفسر اعظم رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام والمسلمین قاضی القضاۃ تاج الشریعہ

مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری رحمۃ اللہ علیہ

اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے دیگر علمائے کرام

کی تصنیفات اور حیات و خدمات کے مطالعہ

کے لئے وزٹ کریں

www.muftiakhtarrazakhan.com

/muftiakhtarrazakhan1011/

/muftiakhtarraza

+92 334 3247192



فیضانِ تصوّف

اور

امام احمد رضا

از: خلیفۂ مجاز حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ ڈاکٹر غلام مصطفی نجم القادری

آن لائن پیشکش

تاج الشریعہ فاؤنڈیشن، کراچی، پاکستان

www.muftiakhtarrazakhan.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صوفیِ باصفا امام احمد رضا اتنی خوبیوں کے جامع اور اتنے اوصاف کے حامل تھے کہ کوشش بسیار کے باوجود ان سب کا تعین بہت مشکل ہے اور کمال یہ کہ ہر خوبی ایسی درخشاں وتاباں کہ ان میں جس پر بھی نظر پڑ جائے تو دوسری طرف رخ کرنے کی نوبت نہیں آتی، بلکہ وہ خوبی دوسری خوبیوں کی طرف متوجہ ہونے کی مہلت ہی نہیں دیتی۔ ان کے اوصاف میں ایک اہم وصف یہ بھی ہے کہ وہ اپنے دَور کے صوفی ہی نہیں صوفی گر ہیں۔ بہت سے حضرات صرف ان کی صحبت ورفاقت پا کر، ان کی مجلس کی نشست وبرخاست کی برکت سے تصوف کے اعلیٰ درجے پر پہنچ گئے۔ جس طرح وہ اپنی مجلس کے حاضر باشوں کو احکامِ شریعت سے آشنا کرتے رہتے تھے، اسی طرح وہ اپنی مجلس میں طریقت کی پیچیدہ گتھیاں بھی سلجھاتے۔ تصوف کی زلفِ پریشاں سنوارتے اور روحانی اقدار کے چہرے پر غازہ بھی ملتے رہتے۔ لیکن ان کے کارِ تجدید واحیاے دین کا رنگ ایسا چوکھا، نمایاں اور قوس قزحی تھا کہ دوسرے اوصاف کے رنگ اس میں چھپ کر رہ گئے۔ یا یہ کہہ لیجیے کہ نام ونمود اور زیبایش ونمایش کی آلایش کے پیش نظر اپنے قالب پر مجدّد کی دبیز چادر تان کر خود ہی سارے اوصاف کو اس میں چھپا لیا تھا۔ تاہم ان کے اوصاف کی روشنی، ان کی خوبیوں کی خوشبو اور ان کے کمالات کی جلوہ ریزی کبھی بذریعہ قلم، کبھی بواسطہ گفتگو، کبھی بوسیلہ خطاب اور کبھی بغرض اصلاح وہدایت آشکارا ہو ہو کر انجمن آرائی کرتی رہتی تھیں۔ امام ربانی، حضور مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مجدّد کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''مجدّد وہ ہے کہ اس کے زمانے میں اُمّتوں کو جتنے فیوض پہنچتے ہیں وہ اس کے واسطے سے پہنچتے ہیں۔ اگرچہ اس وقت اقطاب اور اوتاد ہوں، ابدال ونجبا ہوں۔''

(مکتوباتِ امام ربانی، فارسی، صفحہ ۱۵، جلد ثانی)

معلوم ہوا اپنے دور کے مجدّد کی طرف رجوع کیے بغیر کسی بڑائی و بزرگی، منصب و مرتبہ کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ مجدّد ہی فیض بخش عالم ہوتا ہے، سوچنے کی بات ہے بحیثیت مجدّد کیا عوام، کیا علما، کیا صوفیا کیا فضلا، جو سب کا مقتدا ہو وہ طریقت وتصوف میں کتنے اونچے مقام پر ہوگا؟ مگر اس کا جلوۂ تصوف آج بھی اتنا عام نہیں جتنا ہونا چاہیے۔ ضرورت ہے کہ ان کا وصف تصوفِ عالم آشکار ہو تا کہ اس رخ روشن سے بھی لوگ اپنی حیات کا رخ متعین اور خیالات کا قبلہ درست کرسکیں۔

تصوف کیا ہے؟ تصوف کی حقیقت کیا ہے، صوفی کون ہے اور صوفیت کے ضوابط کیا ہیں؟ جو نظر آتا ہے وہی حقیقت ہے یا حقیقت بناوٹ میں گم ہے؟ صوفیا ہی کے آثار و آرا کی روشنی میں پہلے ان اُمور کی وضاحت ضروری ہے۔ سلطان المحققین حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

''زمانے میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں ان کی وجہ سے زمانے والوں کی آنکھوں میں صوفیوں کا بُرا حال دکھائی دیتا ہے، اُن کی پاک دامنی پر دھبّے لگانے کا خاص سبب یہی ہے کہ خود صوفیوں نے اپنی روش بدل دی ہے اور خلافِ اصول عادتوں میں مبتلا ہو کر تصوف کو بدنام کر دیا ہے، ورنہ تصوف تو دین وایمان کی جان ہے۔''

(مکتوباتِ صدی، ص ۱۷۱)

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری فرماتے ہیں:

”صفائے باطن کے لیے کچھ اصول وفروع ہیں، ایک اصل تو یہ ہے کہ دل کو غیر سے خالی کرے۔ اور فروع یہ ہے کہ مکروفریب سے بھرپور دنیا کو دل سے خالی کردے۔“

(کشف المحجوب، ص ۶۴)

اب تک یہ فیصلہ نہ ہوسکا کہ صوفی مشتق کس سے ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ صوف (پشمینہ) کے کپڑے پہنتے ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں وہ اوّل صف میں ہوتے ہیں، اس لیے انہیں صوفی کہتے ہیں۔ ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ یہ اصحابِ صُفّہ کی نیابت کرتے ہیں۔ بعض کا کہنا یہ ہے کہ یہ نام ’صفا‘ سے ماخوذ ہے۔ آپ غور کریں تو ہر وجہ تسمیہ میں بکثرت لطائف موجود ہیں۔ خلاصے کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ چوں کہ صوفیاے کرام اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب و پاکیزہ بنا کر، طبعی آفتوں سے نفرت کرتے ہیں، اس بنا پر انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔ حضرت شیخ علی ہجویری اس امر کی نقاب کشائی یوں کرتے ہیں:

”جملہ مشائخِ طریقت کا اس پر اجماع ہے کہ بندہ جب مقامات کی بندشوں سے آزاد ہوجاتا ہے اور احوال کی کدورتوں سے خالی ہو کر، تغیر و تلون کے حدود سے نکل جاتا ہے، تو وہ تمام احوالِ محمودہ سے متصف ہوجاتا ہے۔ اور تمام بشری کدورتوں سے نجات پاجاتا ہے، اس لیے اولیاے کاملین اور عرفاے محققین کا نام صوفی ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں **من صفا الحب فهو صاف ومن صفا الحبيب فهو صوفی** ”جس کی محبت پاک وصاف ہے، وہ صافی ہے اور جو دوست میں مستغرق ہو کر اس کے غیر سے بری ہو وہ صوفی ہے۔“ (ایضاً، ص ۶۸)

تصوف کے ماننے والوں، اس کے آداب پر عمل کرنے والوں یعنی خود حضراتِ

صوفیانے صوفی کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ایک کو صوفی، دوسرے کو متصوف اور تیسرے کو مستصوف کہتے ہیں۔(۱) صوفی وہ ہے جو خود کو فنا کر کے حق کے ساتھ مل جاتا ہے۔ (۲) متصوف، وہ ہے جو ریاضت ومجاہدہ کے ذریعے اس مقام کو طلب کرے۔ (۳) مستصوف، وہ ہے جو دنیاوی عزت ومنزلت کی خاطر خود کو ایسا بنالے۔گویا صوفی صاحب وصول ہے، متصوف صاحب اُصول اور مستصوف صاحب نقول وفضول۔

تصوف کا بانی کون ہے؟ اور صوفیِ اوّل کے لقب سے کون ملقب ہے؟ اس سلسلے میں سلطان المحققین، مخدوم جہاں، حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ، قرآن و حدیث کے اشارات ورموز کی روشنی میں اس راز کو یوں واشگاف فرماتے ہیں:

”اگر تصوف کی ابتدا پر غور کرو گے تو اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ہی سے پاؤ گے۔اس عالم میں پہلے صوفی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ان کو حق تعالیٰ نے خاک سے پیدا کیا، پھر اجتبا اور اصطفا کے مقام پر پہنچایا، خلافت عطا فرمائی، پھر صوفی بنایا۔......وہ مرقع جو دریوزہ گری کے بعد پہنایا گیا تھا آپ اس کو بہت عزیز رکھتے تھے۔آخر عمر میں وہ مرقع شیث علیہ السلام کو آپ نے پہنا دیا اور خلافت بھی سپرد کر دی۔ چنانچہ نسلاً بعد نسلٍ اسی طریقے پر عمل ہوتا رہا اور تصوف کی دولت ایک نبی سے دوسرے نبی کو یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی رہی۔صوفیِ صافی اوّل حضرت آدم علیہ السلام کی خلوت در انجمن کے لیے خانۂ کعبہ کی بنیاد پڑی، یعنی دنیا میں پہلی خانقاہ کعبۂ مکرم ہے۔......حضرت موسیٰ وعیسٰی علیہما السلام نے بیت المقدس کو خانقاہ بنایا۔چنانچہ اور ملکوں میں بھی خانقاہیں بنائی گئیں، جن میں عبادتیں کی جاتیں اور اسرارِ الٰہی کا بیان ہوا کرتا۔پھر جب دورِ مبارک حضرت سیدنا ونبینا، سلطان الاولیا والانبیا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

آ پہنچا، ......حضور نے اسی خانقاہِ کعبہ کا قصد فرمایا، علاوہ اس کے خود مسجدِ نبوی میں ایک گوشہ متعین کر دیا۔ اصحاب میں وہ گروہ جو سالکانِ راہِ طریقت بعنوان خاص تھا اس سے وہیں راز کی باتیں ہوا کرتیں۔ اس جماعتِ خاص صوفیہ کے لوگ قریب قریب ستّر ۷۰ اشخاص تھے۔ تصوف وطریقت جس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، اس کا تتمّہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"

(مکتوباتِ صدی، ص ۱۷۳ تا ۱۷۵ ملخصاً)

آج تو ایک طرح سے ہر بوالہوس نے تصوف پرستی شروع کر دی ہے۔ جس کو دیکھیے وہی اپنے آپ کو صوفی کہتے اور کہلواتے نظر آتے ہیں۔ رازدارِ شریعت وطریقت حضرت مخدوم جہاں فرماتے ہیں:

"تم اس بات کا یقین کرلو کہ جو شخص طریقت کی راہ کا طلب گار ہو، اس کے پاس شریعت کی پونجی ہونا ضرور چاہیے، تاکہ قصبۂ شریعت سے شہرِ طریقت میں پہنچے، طریقت میں جہاں قدم درست ہوا، ملک حقیقت میں پہنچ جانا آسان ہے۔ جس بے علم نے شریعت ہی کو نہیں سمجھا ہے، وہ طریقت کو کیا پہچانے گا اور جب طریقت ہی سے شناسائی نہیں ہے تو حقیقت تک کیوں کر رسائی ہو سکتی ہے۔ اسی لیے بے علم ومعرفت اور ناواقفِ شریعت کو اس راہ میں چلنے کی اجازت نہیں۔ اگر اپنی خود رائی سے کوئی ایسا کرے گا تو بھٹک کر رہ جائے گا اور اسی چکّر میں اس کی جان بھی چلی جائے گی۔ بالکل ناممکن ہے کہ وہ منزلِ مقصود تک پہنچ سکے۔ اگر بفرضِ محال کورانہ وجاہلانہ مجاہدہ وریاضت سے کچھ نظر آ گیا، تو اتنا غرور پیدا ہوگا، جہالت بڑھے گی اور حماقت تیز ہوگی کہ ایمان تک رخصت ہو جائے گا اور شیطان کے پھندے میں پھنسا رہے گا۔ تم اس بات کا یقینِ کامل کرلو کہ اللہ تعالیٰ کسی جاہل

کو ولی نہیں بناتا،ما اتخذاللہ و لیاً جاھلاً ،مشائخ کا قول ہے۔اور قرآن شریف میں بھی اس طرف اشارہ ہے،و لم یکن لہ ولی من الذل ،خداوند جل وعلا جاہل کو دوست کبھی نہیں بناتا۔حقیقت یہ ہے کہ جہالت سے بڑھ کر کوئی چیز ذلیل نہیں ،یہ ساری ذلتوں کی جڑ ہے۔اللہ تعالیٰ کی راہ میں قدم رکھنا دل لگی نہیں ہے۔بزرگوں کا قول ہے کہ سالک کو جب بارہ چیزوں کا علم ہوتا ہے تو وہ اس راہ کے لائق سمجھا جاتا ہے۔(۱)علمِ توحید (۲)علمِ رسالت (۳)علمِ معاملت (۴)علمِ معرفت (۵)علمِ حالت (۶)علمِ مکاشفت (۷)علمِ مشاہدت (۸)علمِ خطاب (۹)علمِ سماع (۱۰)علمِ وجد (۱۱)علمِ معرفتِ روح (۱۲)علمِ معرفتِ نفس۔پھر ان علوم کے اصول وفروع کی واقفیت بھی ضروری ہے۔“

(مکتوبات صدی ص ۱۷۶،۱۷۷)

ظاہر جب علم ہی نہیں ہے تو وہ حلال وحرام کو کیسے جان پائے گا،اور جب تک جانے گا نہیں حلال کا التزام اور حرام سے اجتناب کیسے کر پائے گا۔اور جب خود نہیں کر پائے گا تو اپنے مریدوں سے کیسے کرا پائے گا۔اور جب تک یہ نہیں ہوگا تقویٰ کا تصور بھی نہیں ہو پائے گا۔اس لیے کے تقویٰ حلال پر چلنے اور حرام سے بچنے ہی کا نام ہے۔اور جب تقویٰ نہیں تو ولایت نہیں۔اسی لیے تمام صوفیاے کرام اور علماے اسلام نے علم پر زور دیا،اور فرمایا اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو ولی نہیں بناتا،مگر ہاں جسے ولی بنانا چاہتا ہے اسے جاہل نہیں چھوڑتا۔علم چاہے کسبی ہو یا وہبی مگر ہو۔علم نور ہے،جب یہ رہے گا تو حیات اور معاملاتِ حیات کا ہر گوشہ منور وتاباں رہے گا۔اسی لیے شرائطِ مرشد کی تیسری شق ذکر کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

”علمِ فقہ اس کی اپنی ضرورت کے قابل کافی اور لازم کہ عقاید اہلِ سُنّت سے پورا واقف،کفر واسلام،ضلالت وہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو،

ورنہ آج بدمذہب نہیں، کل ہو جائے گا۔‘‘

(فتاوی افریقہ، امام احمد رضا)

جس خوش نصیب میں علم بھی ہو اور آدابِ شریعت کا لحاظ و خیال بھی اس کا قلب معرفتِ الٰہی کے انوار سے جگمگا اُٹھے گا۔ حضرت ابو القاسم قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسالۂ مبارکہ ’’قشیریہ‘‘ میں ص ۳۰ پر سیدی ابو العباس احمد، محمد القردمی معاصر سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کرتے ہیں:

’’من الزم نفسه آداب الشريعة نور الله قلبه بنور المعرفة ولا مقام اشرف من مقام متابعة الحبيب فی اوامره وافعاله واخلاقه‘‘ جو اپنے اوپر آدابِ شریعت لازم کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نورِ معرفت سے روشن کر دے گا، اور کوئی مقام اس مقام سے بڑھ کر معظم نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام، افعال، عادات سب میں حضور کی پیروی کی جائے۔‘‘

(مقام عرفاء، ص ۲۰)

یہ تصور باطل ہے کہ علما اور صوفیا دو الگ اور بے تعلق جماعتیں ہیں۔ علماے ربانیین ہی صوفیاے کاملین ہیں۔ صوفیا اور علما میں کبھی بُعد نہیں رہا، خانقاہوں کی زینت سجّادہ حضرات ہی اپنے وقتوں میں مدارس کے فخر المدرسین بھی تھے، دار الاشاعت کے عمدۃ المؤلفین بھی اور خانقاہ کے زبدۃ العارفین بھی۔ آج کلّیات و جامعات کی کثرت کے باوجود انسان کو انسان بننا میسر نہیں۔ یہ سب کچھ خانقاہی نظام سے نفرت کے باعث ہے۔ یہ درست سہی کہ خانقاہی نظام میں وہ پہلی سی بات نہ رہی، تاہم اس کے آثار تو موجود ہیں، اس کی اصلاح تو ممکن ہے۔ درس گاہ اور خانقاہ یک جسم و یک جان ہوتے ہیں تو علم کے فوارے اور عمل کے چشمے سے آبادی کی آبادی جل تھل ہو اُٹھتی ہے۔ اور علم و عمل کی سنگم

شخصیت کی زبان سے نکلی ہوئی بولی بولی نہیں ہوتی، قند کی ڈلی ہوتی ہے۔

معین الملۃ الدین حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالی عنہ، برصغیر کے خوش عقیدہ مسلمان جن کی بارگاہ کو اپنی روحانی چھاؤنی اور آخری پناہ گاہ تصور کرتے ہیں، آپ نے صرف تین جملوں میں تصوف کے جلال و جمال کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ ان کی نظر میں سب سے بڑا صوفی، اللہ کا دوست یعنی ولی اللہ کون ہے؟ تو فرماتے ہیں:

''حضرت پیر و مرشد کا قول ہے کہ جس شخص میں یہ تین خصلتیں ہوتی ہیں، وہ اللہ کا دوست ہوتا ہے، اوّل دریا جیسی سخاوت، دوم آفتاب جیسی شفقت سوم، زمین جیسی تواضع۔''

(ہندو پاک کے اولیاء، ص ۴۹)

صاحب تذکرہ صوفیِ باصفا، عاشق مصطفیٰ امام احمد رضا چوں کہ قادری سلسلے کے صوفی و بزرگ ہیں اور قادری سلسلے کے بانی حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے جامِ محبت کے ایسے مست ہیں کہ ان کے افکار و خیالات کی جنت میں ہر سو غوثِ اعظم کے قدمِ مبارک کی ہلچل سنائی دیتی ہے، اُن کے تصورات و نظریات کے آفاق پر ہر دم غوثِ اعظم کی یادوں کا سورج ضوفشاں رہتا ہے۔ اس لیے آیئے دیکھیں کہ صوفی و تصوف کے حقایق پر غوثِ اعظم کے خیالات کیا ہیں، اور ان خیالات کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کی حیات و خدمات، جذبات و ملکات کا مطالعہ کریں کہ انہوں نے کس کس طرح ان فرمودات کے لعل و گوہر سے اپنے خزینۂ روحانیت کو سجایا ہے، اور دوسروں کے بھی بے نور دل و دماغ کو درخشاں کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ ولی جن کی حیات کا مقصودِ اصلی ہی خدا تک رسائی اور خدا کو پالینا ہوتا ہے، حضور غوث پاک نے اس راستے کے پیچ و خم، منزلِ مقصود اور عرفانِ الٰہی تک کے سنگ میل کی نشان دہی فرمادی ہے، ارشاد گرامی ہے:

''اقرب طرق الی اللہ تعالی لزوم قانون العبودیۃ الاستمساک

بعروۃ الشریعۃ، اللہ عزوجل کی طرف سب سے زیادہ قریب راستہ قانونِ
بندگی کو لازم پکڑنا اور شریعت کی گرہ کو تھامے رہنا ہے۔‘‘

(مقال عرفاء، ص ۱۶، بحوالہ بہجۃ الاسرار ص ۵۰)

ولی کی پہچان کچھ لوگوں نے کرامت ٹھہرالی ہے۔ اُن کی نظرِ تلاش اس تگ ودو میں ہوتی ہے کہ خارق عادت، افعال کا صدور، محیر العقل کارنامے کا ظہور ہو، اگر اتفاق سے ایسا ہوگیا تو ان کی جبین عقیدت جھک جاتی ہے ورنہ ولی ماننے میں ہی انہیں تامّل ہوتا ہے۔ ولی کی سب سے بڑی پہچان شریعت پر استقامت ہے۔ دیکھیے کتنے واضح لفظوں میں حضور غوث پاک فرماتے ہیں:

’’کرامۃ الولی استقامتہ فعلہ علیٰ قانون قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ولی کی کرامت یہ ہے کہ اس کا فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے قانون پر پورا اُترے۔‘‘

(مقال عرفاء، ص ۳۹، بحوالہ بہجۃ الاسرار ص ۱۵)

تصوف، حقیقتِ تصوف اور لوازمِ تصوف کے حوالے سے جتنے جواہر پارے اب تک آپ کی بزم نظر سے گذرے ہیں ان تمام کو صرف دو جملوں میں اگر دیکھنا چاہیں تو حضور غوثِ پاک کا فرمان ایک بار پھر دیکھ لیجیے۔ جس نے بھی، جو کچھ بھی کہا ہے اس کی روح آپ کے ارشاد گرامی میں موجود ہے۔ امام احمد رضا نے ارشادِ غوثِ اعظم کو تاحین حیات حرزِ جاں بنائے رکھا۔ زندگی و بندگی کے ہر مرحلے میں اس کو پیش نظر رکھا۔ نسبتِ قادریت کی برکت نے امام احمد رضا بریلوی کو زمین سے اٹھایا اور قطبیت کے آسمان پر پہنچا دیا۔ امام احمد رضا کی اس روحانی بلندی کو دیکھ کر بڑے بڑے محوِ حیرت و استعجاب ہیں مگر اس میں حیرت کی چنداں کوئی بات نہیں ہے۔ فطرت جس غنچے کی شگفتگی چاہتی ہے، اس پر شبنم کے چھینٹے دے دیتی ہے، اس کی حنابندی خود کرتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کو خاندان

ملا،اس خاندان کی گود میں تصوف کا سورج اُگتااورڈوبتا تھا۔جواساتذہ واکابر ملے وہ طریقت کے آسمان کے نجم وقمر تھے اور حسنِ اتفاق سے جو پیر ملے روحانی دنیا کی شہنشاہی انہیں نصیب تھی۔ان سب نے مل کراُن کے بچپن کو شریعت کا رنگ،اُن کے شباب کو طریقت کا آہنگ اوران کی ضعیفی کو حقیقت کے کیف سے ایسا سرشار کردیا کہ معرفت ان پر ناز کرنے لگی۔

(۱) مثلاً آپ کے دادا قطبِ دوراں حضرت مولانا شاہ رضا علی خان صاحب نے شہر ٹونک میں مولانا خلیل الرحمن سے علومِ دینیہ حاصل کرکے بائیس سال کی عمر میں سند حاصل فرمائی،آپ کے علم کا شہرہ ہندستان میں دور تک پھیلا۔آپ سلوک وتصوف میں کامل درک رکھتے تھے۔پُر اثر تقریر فرماتے تھے۔زہدوقناعت،فقرواستغنا،حلم وتواضع آپ کا خاص وصف تھا۔آپ اپنے وقت کے قطب تھے،بے شمار کرامتیں آپ سے ظہور میں آئیں۔

(۲) آپ کے والد عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم نقی علی خان صاحب نے اپنے والد ماجد قدس سرہ سے علومِ ظاہرہ وباطنہ حاصل فرمایا۔علومِ ظاہری میں تو آپ کی نظیر نہیں تھی اورعلومِ باطنہ کا یہ عالم کہ دولتِ کشف سے آپ مالا مال تھے۔جوفرمادیا ویسا ہی ظہور میں آیا۔ ایک مرتبہ بریلی میں قحط پڑا،مسلمانوں نے حاضرِ خدمت ہوکرعرض کی،آپ نے فرمایا ہمارے ساتھ چلو۔ایک جم غفیر آپ کے پیچھے پیچھے تھا۔ابھی راستے ہی میں تھے کہ پانی برسنا شروع ہوگیااوراتنا برسا کہ گھٹنوں گھٹنوں پانی میں لوگ اپنے گھرآئے۔

(تجلیاتِ امام احمد رضا ص ۳۰)

(۳) آپ کے اساتذہ میں نورالعارفین حضرت سید ابوالحسین احمد نوری بھی ہیں،جو آپ کے روحانی مربّی ہیں۔آپ کو گیارہ سال کی عمر میں آپ کے جدّ اکرم وشیخ طریقت خاتم الاکابر حضور سیّد آلِ رسول مارہروی نے مجاہدات وسلوک اورخاص ادعیہ خاندانی،مثلاً

حزب البحر، چہل اسم، حرز یمانی وغیرہم کی دعوت باقاعدہ آپ سے ادا کرائیں۔آپ کی ریاضت کو دیکھ کر آپ کی جدہ ماجدہ گھبرا جاتیں اور روکنا چاہتیں، تو آپ کے جدّ امجد ارشاد فرماتے کہ رہنے دو، ان کو عیش و آرام سے کیا کام، یہ کچھ اور ہی ہیں، اور ان کو کچھ اور ہی ہونا ہے۔ یہ اقطاب سبعہ میں سے ایک قطب ہیں جن کی بشارت شاہ بوعلی قلندر پانی پتی نے دی ہے۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۳۸۱)

(۴) آپ کے اکابر میں ایک اہم نام شیخ العرب والعجم حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی کا ہے۔ ۲۷؍ رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ میں اعلیٰ حضرت، حافظ بخاری محدّث سورتی کی رفاقت میں آپ سے ملنے گئے۔ادھر گنج مراد آباد میں بغیر کسی ظاہری اطلاع کے شاہ صاحب نے مریدوں سے فرمایا کہ آج ایک شیر حق آ رہا ہے، چلو اس کا استقبال کیا جائے۔ چنانچہ قصبے سے باہر تشریف لا کر استقبال فرمایا، اپنے مخصوص حجرے میں مہمان ٹھہرایا۔عصر کے بعد اعلیٰ حضرت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "مجھے آپ میں نور ہی نور نظر آتا ہے" نیز فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنی ٹوپی آپ کو اڑھادوں، اور آپ کی ٹوپی خود اوڑھ لوں۔ یہ فرما کر اپنی ٹوپی اعلیٰ حضرت کو اڑھادی اور اعلیٰ حضرت کی ٹوپی خود اوڑھ لی۔اس وقت اعلیٰ حضرت کی عمر صرف بائیس سال کی تھی اور حضرت شاہ کی ۸۴ سال کی۔

(۵) آپ کے پیر و مرشد خاتم الاکابر حضرت مخدوم الشاہ سیّد آلِ رسول مارہروی رضی اللہ تعالی عنہ کی تعلیم و تربیت والد ماجد کی آغوشِ شفقت میں ہوئی۔ ۱۲۲۶ھ میں حضرت شیخ العالم عبدالحق ردولوی المتوفی ۸۰۷ھ کے عرس مبارک کے موقع پر علما و مشائخ کی موجودگی میں دستارِ فضیلت سے سرفراز فرمایا گیا۔اسی سال حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کے درسِ حدیث میں شریک ہوئے۔صحاح ستّہ کا دورہ کرنے کے بعد سلاسل حدیث و طریقت کی سندیں مرحمت فرمائیں۔آپ علومِ ظاہری و باطنی کے بحر نا پیدا

کنار تھے۔آپ کے مکاشفہ میں عجیب شان تھی،اپنے اسلاف کی زندہ وتابندہ یادگار تھے۔ آپ کے مرید وخلیفۂ خاص امامِ اہلِ سُنّت اعلیٰ حضرت نے فارسی میں آپ کے فضائل پر ۴۲ اشعار قلم بند فرمائے،جس کا مطلع ہے:

خوشا دلے کہ دہندش ولائے آلِ رسول　　خوشا سرے کہ کنندش فدائے آلِ رسول

(ایضاً، ص ۳۷۰)

سلوک وتصوف کا جوہر بھرا ماحول آپ کو ملا تھا اور طریقت ومعرفت کی جن نورانی کڑیوں سے آپ وابستہ تھے،اس کا اثر وفیض آپ کو پہنچنا ہی تھا،اسی لیے کیا بچپن اور کیا جوانی،حیات کے جس باب کو دیکھیے تابناک نظر آتا ہے۔صرف بچپن کے حالات اگر یکجا کیے جائیں تو کمالات دیکھ کر آپ بھی کہیں گے کہ یا تو یہ مکتب کی کرامت ہے یا صاحب نظر کا فیضانِ نظر۔ہم صرف اشارہ کر کے آگے بڑھتے ہیں،مثلاً (۱) بسم اللہ خوانی کے وقت ساڑھے تین سال کی عمر میں ’’لا‘‘ پر اعتراض کرنا کہ الف بھی پڑھ لیا اور لام بھی، پھر دوبارکا بشکل مرکب ’’لا‘‘ کیوں؟ (۲) ناظرہ قرآن پڑھتے وقت کسی آیت میں استاذ کا زبر بتانا، آپ کا غیر اختیاری طور پر زیر پڑھنا،اور دوسرے نسخۂ قرآن سے مطابقت پر آپ کی تائید کا ملنا۔(۳) استاذ کے جواب ’’جیتے رہو‘‘ پر اعلیٰ حضرت کا یہ کہنا کہ یہ تو سلام کا جواب نہ ہوا، وعلیکم السلام کہنا چاہیے۔(۴) چھ سال کی عمر میں جلسۂ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر مجمع عام میں دو گھنٹہ تقریر کرنا۔(۵) ۸ برس کی عمر میں عربی گرامر کی کتاب کا عربی زبان میں حاشیہ لکھ دینا۔(۶) استاذ سے سبق پڑھنے کے بعد ایک دو مرتبہ دیکھ لینے پر پورا سبق ازبر ہو جانا اور استاذ کو سنا دینا۔(۷) کسی بھی کتاب کی ابتدائی چند بحث پڑھ لینے کے بعد بقیہ پوری کتاب کا خود ہی حل کر لینا۔(۸) تیرہ سال، دس ماہ، پانچ دن کی عمر میں تمام علومِ مروجہ عقلیہ ونقلیہ،عالیہ وآلیہ، جدیدہ وقدیمہ سے فارغ ہو جانا۔(۹) جس دن فارغ ہوئے اسی دن رضاعت کے مسئلہ کا جواب لکھنا اور والد صاحب کا خوش ہو کر فتویٰ نویسی کا پورا

کام آپ کو سونپ دینا، وغیرہ وغیرہ۔

آپ کی ایّامِ طفلی سے عنفوانِ شباب تک کے یہ چند واقعات ہیں، جو ہمیشہ ذکر کیے جائیں گے۔اور جب بھی ذکر کیے جائیں گے۔ شیخ سعدی کا یہ شعر یاد آئے گا کہ

بالائے سرش ز ہوش مندی ‏ ‏ ‏ می تافت ستارۂ بلندی

چودہ سال کی چھوٹی سی عمر میں فراغت کے بعد کارِ افتا کی ذمّہ داری سنبھالتے ہی جب آپ نے گردوپیش کو شریعت کی میزان اور طریقت کی ترازو پر تولا، تو حالاتِ حاضرہ کے ہر شعبے کو کہیں کمی اور کہیں زیادتی کا شکار پایا۔اگر شریعت میں بدعت کی آمیزش کی وجہ سے چہرۂ شریعت دھندلا نظر آرہا تھا، تو طریقت میں جہالت کی آلایش کے سبب روحِ طریقت مجروح نظر آرہی تھی۔ستم بالائے ستم لوگوں نے اپنے مفاد کی خاطر شریعت و طریقت دونوں کو دو خانوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ایسے میں اسلام بچانے کی فکر ہی بہت بدیہی بات ہے۔ چہ جائیکہ کارزارِ عمل میں سرگرم عمل ہونا۔حق کو باطل سے، نور کو ظلمت سے، چھانٹ چھانٹ کر الگ کرنا، خالص شریعت اور شفاف طریقت سے دنیا کو آشنا کرنا، یہ معاملہ جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا مگر اصلاحِ فکر و عمل اور فلاحِ جسد و روح کے لیے ایک ماہر سرجن کی طرح آپ کو جو کرنا تھا، کسی کی چیخ و پکار کی پرواہ کیے بغیر وہ سب کچھ کر دیا جس کے بغیر نہ شریعت کا کوئی وقار تھا اور نہ طریقت کا کوئی اعتبار، زمانہ دیکھتا رہ گیا اور فتح و نصرت نے بڑھ کر جھنڈا گاڑ دیا۔یہ وہ عظیم مجاہدہ ہے جس کو ہر مجاہدہ رشک کی نظروں سے دیکھتا ہے۔آپ خود فرماتے ہیں:

”مجاہدہ کے لیے اسّی برس درکار ہیں اور رحمت توجہ فرمائے تو ایک آن میں نصرانی سے ابدال کر دیا جاتا ہے، اور صدقِ نیت کے ساتھ مشغولِ مجاہدہ ہو تو امدادِ الٰہی خود کارفرما ہوتی ہے۔عرض کیا گیا، یہ تو اگر اسی کا ہو رہے تو ہو سکتا ہے۔دنیوی ذرائع معاش اور دینی خدمات سب چھوڑنا پڑیں گی۔فرمایا،

اس کے لیے یہی علامات مجاہدات ہیں، بلکہ اگر نیت صالح ہے تو ان مجاہدوں سے اعلیٰ، امام ابن حجر مکّی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، ایک عالم صاحب کی وفات ہوئی، ان کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا، آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ فرمایا، جنت عطا کی گئی، نہ علم کے سبب بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس نسبت کے سبب جو کُتّے کو راعی کے ساتھ ہوتی ہے، کہ ہر وقت بھونک بھونک کر بھیڑوں کو بھیڑیئے سے ہوشیار کرتا رہتا ہے۔ مانیں نہ مانیں ان کا کام۔ فرمایا کہ بھونکے جاؤ، بس اس قدر نسبت کافی ہے، لاکھ ریاضتیں، لاکھ مجاہدے اس نسبت پر قربان، جس کو یہ نسبت حاصل ہے اس کو کسی مجاہدے کی ضرورت نہیں، اور اس میں کیا ریاضت تھوڑی ہے؟ جو شخص عزلت نشین ہو گیا، نہ اس کے قلب کو کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے، نہ اس کی آنکھوں کو نہ اس کے کانوں کو، اس سے کہیے جس نے اوکھلی میں سر دیا ہے، اور چاروں طرف سے موسل کی مار پڑی ہے۔"

(الملفوظ، ج ۳، ص ۳۸)

اعلیٰ حضرت کے اس بیان پر علامہ محمد احمد مصباحی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اب آپ امام احمد رضا کے شب و روز کا جائزہ لیں اور دیکھیں، انہوں نے کتنا عظیم مجاہدہ کیا ہے، پوری زندگی خدمتِ دین اور پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھالی بھیڑوں کو ہوشیار کرنے اور رہزنانِ دین کی گالیاں سننے میں بسر کی ہے، اور یہ سلسلہ بعد وصال بھی جاری ہے، ایک طرف ان کی تصانیف سے حفاظت دین و مسلمین ہوئی جا رہی ہے، تو دوسری طرف، مخالفین کی جانب سے گالیوں کا بھی تانتا بندھا ہوا ہے۔ یہی وہ عظیم مجاہدہ تھا کہ ان کے مرشد طریقت نے کسی اور ریاضت کی ضرورت نہ سمجھی، بلکہ بیعت کے ساتھ، خلافت و اجازت کا

تمغۂ امتیاز بھی بخش دیا، اور اس اعزاز سے بھی سرفراز کر دیا کہ ’’روزِ قیامت، اگر احکم الحاکمین نے فرمایا، کہ آلِ رسول، تم میرے لیے کیالائے ہو؟ تو مَیں احمد رضا کو پیش کروں گا۔‘‘

(امام احمد رضا اور تصوّف، ص ۴۸)

حضرت خاتم الاکابر نے ۲۲ سالہ نوجوان میں وہ کون سی خوبی دیکھ لی کہ اپنا زادِ آخرت اپنے اس مرید کو بنالیا۔ پوچھنے پر آپ نے جواب دیا تھا کہ اور لوگ میلا کچیلا دل لے کر آتے ہیں، انہیں بذریعہ ریاضت صاف کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ صاف ستھرا دل لے کر آئے، صرف نسبت کی ضرورت تھی وہ مَیں نے پوری کر دی، دل کا صاف و شفاف ہونا یہ کوئی آسان بات نہیں ہے۔ گناہ چھوٹا ہو چاہے بڑا، ہر گناہ سے دل پر داغ پڑتا ہے، مگر جس ۲۲ رسالہ پاک دامن نوجوان کا دل اتنا مصفّٰی ہو کہ خاتم الاکابر جیسی عبقری شخصیت اس کی گواہی دے، بلکہ اس پر ناز کرے، وہ احکامِ شریعت کے عامل اور آدابِ طریقت کے حامل کے سوا دوسرا ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ وہ تو وہ خوش نصیب انسان ہے قرآن نے جس کے لیے دارین کی فلاح کی ضمانت دی ہے، قد افلح من تزکّی ’تحقیق کہ وہ کامیاب ہو گیا جس نے اپنے دل کو پاک کرلیا‘۔ اور یہ چیز تقویٰ کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور تقویٰ ولایت کی شرائط میں ایک اہم شرط ہے، اور جب شرط ولایت پائی گئی تو ولایت حاصل ہو گئی۔ اس کا صاف مطلب یہ نکلا کہ دل کی صفائی کی بات کہہ کر حضرت خاتم الاکابر نے ۲۲ رسال کی عمر میں آپ کے ولی ہونے کی بشارت دی ہے۔ ولایت کیا ہے؟ اللہ کی پسندیدگی کی سند ہے۔ اور اللہ کو وہ بندہ بہت پسند ہے جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی بات بتائے۔ قرآن نے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو خیر اُمّت کی دلیل بنایا ہے۔ جو بھی اس عمل خیر سے گذرے گا۔ خیر کی سعادت کا تاج اس کے سر رہے گا۔ علامہ ابن جوزی، ’’صفت الصفوۃ‘‘ میں حضرت سفیان بن عینیہ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

''ارفع الناس منزلة من کان بین اللہ و بین عبادہٖ وھم الانبیاء والعلماء،لوگوں میں سب سے بلند رتبہ وہ حضرات ہیں جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں ۔ یہ انبیاء اور علماء ہیں ۔''

(صفۃ الصفوۃ، ج ۲،ص ۱۳۱)

ایک صحرا نشین ،خلوت گزیں صرف اپنے کا نارِ جہنم سے بچانے کی تدبیر کرتا ہے ۔ اور ایک مخلص و بے ریا صاحبِ ہمت ومجاہدہ عالم ربّانی ایک جہان کو عذابِ آخرت سے بچانے کی سعی کرتا ہے،یقیناً یہ اس سے افضل و اعلیٰ ہے ۔ یہ مجاہدہ و ریاضت، یہ اصلاح و ہدایت، یہ جہدِ مسلسل و مشقت، یہ خدمتِ دین وملّت، یہ جذبہ فروغِ شریعت وطریقت ہی رضائے مصطفیٰ اور وصل مولیٰ کے لیے کافی ووافی ہے ۔اس پر مستزاد، حضرت پیر ومرشد کی تعلیم وتربیت نے سونے پہ سہاگہ کا کام کیا۔اعلیٰ حضرت خود فرماتے ہیں:

''جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں شرفِ بیعت سے مشرف ہوا۔تعلیم وتربیت حضور پُر نور مرشدِ برحق سے حاصل کی ۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وصال ہوا۔تو قبل وصال مجھے حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری، اپنے ابن الابن، ولی عہد وسجّادہ نشیں کے سپرد فرمایا۔''

(حیاتِ اعلیٰ حضرت،ص ۴۴۔۴۵)

اور اعلیٰ حضرت نے بھی ب آں علم وفضل ہمیشہ اپنے آپ کو حضرت نوری میاں کے جاروب کشوں میں شمار کیا۔اور ادب وتواضع کا وہ مظاہرہ کیا کہ ابرِ کرم برستا رہا اور اعلیٰ حضرت نہال ہوتے رہے ۔حضرت نوری میاں کی شان میں اعلیٰ حضرت قصیدہ لکھتے اور بزبانِ خود پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ۔ذرا ان کی کیفیت ومستی کا یہ عالم دیکھیے ۔

برتر قیاس سے ہے مقامِ ابوالحسین ‌ ‌ ‌ سدرہ سے پوچھو رفعتِ بامِ ابوالحسین

حاضرین پر وجد طاری ہے ۔طویل منقبت کے بعد مقطع پیش کرتے ہیں ۔

یاں طالع رضاؔ تیری اللہ رے یاوری ‌ ‌ ‌ اے بندۂ جدودِ کرامِ ابوالحسین

وہ دیکھیے محفلِ نور آراستہ ہے۔حضرت رضاؔ،نوری میاں کے روبرو دوزانو بیٹھے ہیں۔اعلیٰ حضرت تازہ مدحیہ قصیدہ لائے ہیں،وہ نذر کررہے ہیں۔قصیدے کا نام ہے ''مشرقستانِ قدس''،مقطع پر پہنچ کر عرض کرتے ہیں۔

اتنا کہہ دے رضاؔ ہمارا ہے　　　پار بیڑا ہے احمد نوری

اسی مقطع کی تکرار کررہے ہیں اور بڑے نیاز سے عرض کررہے ہیں۔''اتنا کہہ دے رضا ہمارا ہے،اتنا کہہ دے رضا ہمارا ہے''،''اتنا کہہ دے رضا ہمارا ہے''اعلیٰ حضرت نے حضور نوری میاں کی آنکھوں میں کچھ دیکھ لیا،چہرے کو پڑھ لیااور''نیاز'' نے اچانک''ناز'' کا رنگ لے لیا۔اعلیٰ حضرت نے دوسرا مقطع نذر کیا۔

اے رضاؔ کیوں ملول ہوتے ہو　　　ہاں تمہارا ہے احمد نوری

اب اسی مصرع کی تکرار ہے''ہاں تمہارا ہے احمد نوری،ہاں تمہارا ہے احمد نوری، ہاں تمہارا ہے احمد نوری''۔حضرت نوری میاں کو اعلیٰ حضرت کی یہ ادا کچھ ایسی بھائی کہ آپ نے اپنا عمامہ مبارک سر سے اُتارااور اعلیٰ حضرت کے سر پر باندھ دیا۔گویا سند مل گئی کہ''ہاں تمہارا ہے احمد نوری''۔اعلیٰ حضرت نے عرض کیا،حضور یہ عمامہ نہیں بلکہ میرے سر کا تاج ہے۔یہ سُن کر مولانا عبدالمقتدر صاحب نے فرمایا کہ مولانا یہ''تاج الفخر'' ہے۔دیکھا گیا تو اس لفظ سے اس واقعہ کی سند برآمد ہوتی ہے''تاج الفخر''(۱۳۱۵)۔

پھر حضرت نوری میاں نے اس تحریر پر تنویر سے مفتخر فرمایا''چشم وچراغِ خاندانِ برکاتیہ مارہرہ،مولانا احمد رضا خاں،دام عمرھم و علمھم'' یہ خطاب مَیں نے آپ کو بایماء غیبی پہنچا دیا۔بطوع ورغبت آپ کو قبول کرنا ہوگا۔اور مَیں نے بطیب خاطر،بلا جبر واکراہ، بہ رغبت قلب یہ خطاب آپ کو ہبہ کیا اور بخش دیا۔یہی خط اس کی سند میں باضابطہ رہے۔فقط ابوالحسین نوری،مارہرہ۔(جامِ نور،جنوری ۲۰۰۸ء،ص ۵)

بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا نے وہ منازلِ سلوک اور مراحل طریقت

بھی طے فرمائے جو بے توجہ مرشدِ کامل طے نہیں ہوتے۔خود اپنی طبعی کوشش، فطری خواہش، اکابرواساتذہ کی نوازش اوراس پر مرشدِ برحق کی روحانی آرایش نے امام احمد رضا کے طبقاتِ حیات کوایسا روشن ومنوراور معنبر ومعطر کردیا کہ دوسروں کوبھی انھیں نقوش وخطوط پر چلانا ان کا مرکزی نکتہ اور نصب العین بن گیا۔مشائخ وعرفا کا اس پر اجماع ہے کہ ’’شریعت کا چھوآنے والا طریقت کی ہوا بھی نہیں پاسکتا۔‘‘امام احمد رضا اپنی تصنیف ’’مقال عرفا‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

’’شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ایک ایک سانس، ایک ایک پل، ایک ایک لمحہ مرتے دم تک ہے۔اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ کہ راہ جس قدر باریک اسی قدر ہادی کی زیادہ حاجت، اے عزیز! شریعت عمارت ہے، اس کا اعتقاد بنیاد، اور عمل چنائی، پھر اعمالِ ظاہرہ دیواریں کہ اس بنیاد پر ہوا میں چنے گئے ہیں۔اور تعمیر اوپر بڑھ کر آسمانوں تک پہنچی وہ طریقت ہے۔دیوار جتنی اونچی ہوگی نیو کی زیادہ محتاج ہوگی۔احمق وہ جس پر شیطان نے نظر بندی کرکے اس کی چنائی آسمانوں تک دکھائی اور دل میں یہ ڈالا کہ اب ہم تو زمین ک دائرے سے اونچے گذر گئے۔ہمیں اس سے تعلق کی کیا حاجت۔نیو دیوار سے جدا کرلی، اور نتیجہ وہ ہوا جو قرآن عظیم نے فرمایا، فانھا ربہ فی نار جھنم اس کی عمارت اسے لے کر جہنم میں ڈھے پڑی۔والعیاذ باللہ رب العالمین۔ اسی لیے اولیاے کرام فرماتے ہیں، صوفی جاہل شیطان کا مسخرہ ہے۔اسی لیے حدیث میں آیا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فقیۃ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد‘‘ایک فقیہہ، شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔بے علم مجاہدے والوں کو شیطان انگلیوں پر نچاتا ہے۔منہ میں لگام، ناک میں نکیل ڈال کر جدھر چاہے کھینچے پھرتا ہے۔حضور غوث پاک ’فتوح الغیب‘ میں ارشاد فرماتے ہیں ’’جس حقیقت کی گواہی شریعت نہ دے وہ زندقہ ہے۔‘‘اور امام غزالی ’احیاء العلوم‘ میں فرماتے ہیں ’’جس حقیقت کو شریعت باطل

بتائے وہ حقیقت نہیں بلکہ کفر ہے۔'' امام الطریقت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''صوفی اسے کہتے ہیں، جو ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں سُنّتِ نبویہ لیے ہو۔'' اب بھی جو شخص یہ کہے کہ شریعت اور ہے طریقت اور ہے، اولیائے کرام، صوفیائے عظام کے ارشاد کے بموجب وہ مردود ہے۔''

جسمِ پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا نام شریعت ہے، قلب پاک کے احوال کا نام طریقت ہے، سرِ پاک کے احوال کا نام حقیقت ہے۔ اور روح پاک کے حالات کا نام معرفت ہے۔ غرض کہ ذاتِ پاکِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان چاروں کا مرکز ہے۔''

یہ تھا امام احمد رضا کے قلم سے نکلا ہوا شریعت وطریقت کا وہ مغز کہ یہ جہاں کہیں بھی ہوں گے شریعت کی توانائی بھی وہیں رہے گی اور طریقت کی تازگی بھی۔ امام احمد رضا نے اپنے زورِ قلم اور طبع رسا سے اس طرح انہیں اوراق پر سجا دیا ہے کہ جو ان سے قریب ہوتا ہے یا ان کو اپنے سے قریب کر لیتا ہے وہ بھی چمک اُٹھتا ہے۔ روحانیت کا تمام حسن، طریقت کی تمام جمالیاتی قدریں اس میں سمٹ آتی ہیں۔ ایسی علم ریز اور عمل خیز بحث وہی کر سکتا ہے جو خود شریعت کا جامع اور طریقت کا ماہر ہو۔ جس کے قلب پر شریعت کا نقش ونگار اور قلب پر طریقت کا باغ و بہار جلوہ بار ہو، جو نکتہ رس عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ باریک بین صوفیِ کامل بھی ہو۔ علم اور عمل جب گلے ملے ہیں، شریعت وطریقت جب ہم آہنگ ہوئے ہیں تب امام احمد رضا صوفیِ باصفا ہوئے ہیں۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان کی یہ خوبیاں اضافی ہیں۔ نہیں بلکہ بچپن ہی سے وہ ان اوصاف سے متصف تھے۔ ان کے بچپنے کے کوائف بولتے ہیں کہ وہ شروع ہی سے صوفی تھے۔ اسی لیے اُن کی سیرت میں صرف علم کا دعویٰ نہیں، عمل کی دلیل بھی ہے۔ نماز اور روزہ، احکام شرع میں دو ایسے احکام ہیں کہ جو ان کا مکمل پابند ہوتا ہے وہ دوسرے احکام میں بھی ذرہ برابر کوتاہی نہیں کرتا۔

اختصار کے پیشِ نظر ہم روزہ ونماز کا صرف ایک ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ وہ تقویٰ ہی نہیں ورع کی منزلِ بلند پر فائز تھے۔ اور ان اولیاء الا المتقون کے مطابق متقی کامل اور ولی عارف تھے۔ امام احمد رضا کی زندگی کا آخری رمضان ۱۳۳۹ھ میں تھا، اس وقت ایک تو بریلی میں سخت گرمی تھی، دوسرے عمر مبارک کا آخری حصّہ اور ضعف ومرض کی شدّت، شریعت اجازت دیتی ہے کہ شیخ فانی روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دے۔ اور ناتواں مریض کو اجازت دیتی ہے کہ قضا کرے۔ لیکن امام احمد رضا کا فتویٰ اپنے لیے کچھ اور ہی تھا۔ جو در حقیقت فتویٰ نہیں تقویٰ تھا۔ انہوں نے فرمایا، بریلی میں شدتِ گرما کے سبب میرے لیے روزہ رکھنا ممکن نہیں۔ لیکن پہاڑ پر ٹھنڈک ہوتی ہے۔ یہاں سے نینی تال قریب ہے۔ بھوالی پہاڑ پر روزہ رکھا جاسکتا ہے۔ مَیں وہاں جانے پر قادر ہوں۔ لہٰذا میرے اوپر وہاں جا کر روزہ رکھنا فرض ہے۔ چنانچہ رمضان وہیں گذارے اور پورے روزے رکھے۔ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو وصال ہوتا ہے۔ مرض مہینوں سے تھا اور ایسا کہ چلنے پھرنے کی طاقت نہیں۔ شریعت اجازت دیتی ہے کہ ایسا مریض گھر میں تنہا نماز پڑھ لے۔ مگر امام احمد رضا جماعت کی پابندی کرتے۔ چار آدمی کرسی پر بٹھا کر مسجد تک پہنچاتے، جب تک اس طرح حاضری کی قدرت تھی، جماعت میں شریک ہوتے رہے۔ علامہ محمد احمد مصباحی نے اپنے استاذ محترم حضور حافظِ ملّت علیہ الرحمہ کے حوالے سے جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ

> ''ایک بار مسجد لے جانے والا کوئی نہ تھا، جماعت کا وقت ہوگیا۔ طبیعت پریشان، ناچار خود ہی کسی طرح گھسٹتے ہوئے حاضر ہوئے اور باجماعت نماز ادا کی۔ آج صحت وطاقت اور تمام تر سہولت کے باوجود ترکِ نماز اور ترکِ جماعت کے ماحول میں یہ واقعہ ایک عظیم درسِ عبرت ہے۔''

(امام احمد رضا اور تصوّف، ص ۵۶)

یہ انداز و ادا، یہ روشِ حیات، یہ جذبۂ عبودیت وہ استقامت علی الشریعۃ ہے جسے غوث اعظم نے کرامت کہا ہے۔ اور یہی وہ کرامت ہے جس کے بارے میں سید المکاشفین حضرت محی الدین ابن عربی نے فرمایا کہ ''اس میں استدراج اور مکر کا دخل نہیں، یہ اصل کرامت معنوی ہے۔'' لیکن ان کی حیات میں بہت سی کرامات حسّی بھی موجود ہیں جو (۱) ''امام احمد رضا اور تصوّف'' کے 'کرامات' والے حصّے میں (۲) ''تجلیاتِ امام احمد رضا'' میں (۳) ''سیرتِ اعلیٰ حضرت مع کرامات'' میں (۴) ''صوفیِ باصفا امام احمد رضا'' میں (۵) خصوصیت کے ساتھ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ امام احمد رضا کی کرامتوں میں یہ بھی عظیم اور نمایاں کرامت ہے کہ ان کے خلفا، تلامذہ اور مریدین اصحابِ کرامت ہوئے ہیں۔ مثلاً:

(۱) ملک العلما حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ الباری، عرصے سے فشارالدم کے مرض میں مبتلا تھے اور بہت کمزور ہو گئے تھے۔ لیکن ان کی عبادت و ریاضت میں کبھی کوئی کمی نہیں آئی۔ نہ اُن کے روزانہ کے معمولات میں کوئی فرق آیا۔ زندگی کے آخری دن تک وہ علمی و دینی فرائض حسب معمول انجام دیتے رہے۔ شب دوشنبہ ۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر جہر اللہ، اللہ کرتے، انہوں نے اپنی جان، جانِ آفریں کو اس طرح سپرد کی کہ کچھ دیر تک اہلِ خانہ کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ واصل بحق ہو چکے ہیں۔ (مقدمہ الجامع الرضوی، ص ۱۰)

(۲) صدر الشریعہ حضرت علامہ محمد امجد علی اعظمی، مصنف بہارِ شریعت، علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد برسات کی وجہ سے مزار شریف کا ایک حصّہ کھل گیا، پورا باغ خوشبو سے معطر ہو گیا۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ یہ خوشبو نہ پہلے ہم نے کسی چیز میں پائی، نہ بعد میں اس کی نظیر نظر آئی۔ اعلیٰ حضرت کے خلف اصغر حضور مفتیِ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ ملفوظات کے دیباچے میں فرماتے ہیں ''صحبت بغیر رنگ لائے نہیں رہتی۔ اور پھر

اچھوں کی صحبت اور وہ بھی کون جنہیں سید العلما کہیں تو حق یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ جنہیں تاج العرفا کہیں تو بجا، جنہیں مجددِ وقت اور امامِ اولیا کے تعبیر کریں تو صحیح، جنہیں حرمین طیبین کے علمائے کرام نے مدائح جلیلہ سے سراہا۔ **انه السدی الفرد الامام** کہا۔ ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ انہیں اپنا شیخ طریقت بنایا، ان سے سندیں لیں، اجازتیں لیں۔ انہیں اپنا استاذ بنایا، پھر ایسے کی صحبت، کیسی بابرکت صحبت ہوگی۔ سچ تو یہ ہے کہ صحبت کی برکت نے انسان کر دیا۔ میری جان، ان پاک قدموں پر قربان، جب سے یہ قدم پکڑے، آنکھیں کھلیں، اچھے بُرے کی تمیز ہوئی، اپنا نفع وزیاں سوجھا، منہیات سے تابمقدور احتراز کیا۔ اور اوامر کی بجاآوری میں مشغول ہوا۔ (الملفوظ، ج ۱، ص ۴) یہ اعترافِ استفاضہ کافی ووافی ہے۔

(۳) اب آپ کو خود حضور مفتیِ اعظم ہند کی زندگی پر نظر ڈالیں۔ شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی زندگی، طریقت کی میزان پر تلی ہوئی زندگی اور کشف وکرامات سے بھری ہوئی زندگی، اس زندگی کے جلوے اب بھی بہت سی نگاہوں میں محفوظ ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں حضرت خواجہ غریب نواز کے بعد پورے برّصغیر میں سب سے زیادہ جس بزرگ کی کرامتیں زبان زد خواص وعوام ہیں اور عمومی مجالس سے مخصوص محافل تک سُنی اور سُنائی جاتی ہیں وہ حضور مفتیِ اعظم ہند کی کرامتیں ہیں۔ مفتیِ اعظم ہند کون ہیں؟ اعلیٰ حضرت کے دسترخوانِ تصوّف کے ریزہ چیں، اعلیٰ حضرت کے مے کدے کی معرفت کے بادہ خوار۔ ظاہر ہے کہ جب زندگی کا یہ عالم ہے تو، زندگی ساز کا عالم کیا ہوگا۔ امام احمد رضا کے دورِ حیات میں طریقت ظلم وجہالت کے پنجے میں سسک رہی تھی، ایک تو انگریزوں کا ساختہ وپرداختہ گروہ تھا جو تصوّف کے وجود پر ہی سوالیہ نشان لگا رہا تھا، دوسری ٹولی نام نہاد صوفیوں کی تھی، جو اپنی ناروا حرکتوں سے تصوف کی مٹّی پلید کر رہی تھی، اور اپنی اس حرکتِ مکروہی پر وہ اتنے جری تھے کہ کچھ سننے کو تیار نہیں تھے۔ امام احمد رضا نے تصوف کی یہ حالت زار دیکھی تو بحیثیت صوفی آپ تڑپ اُٹھے، اور تصوّف کے دفاع میں اپنی علمی وعملی فوج میدان میں

اُتار دی ۔ پھر کیا تھا کتابوں کا عسکری دستہ، رسائل کی وہ کمک بھیجی کہ خانقاہ سے لے کر درگاہ تک رضا کے نام کی دھوم مچ گئی ۔ درگاہ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا کے سجّادہ نشین حضرت خواجہ حسن نظامی کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ

"بریلی کے مولانا احمد رضا خان صاحب جن کو اُن کے معتقد مجدّد مأة حاضرہ کہتے ہیں، درحقیقت طبقۂ صوفیا کرام میں باعتبار علمی حیثیت کے منصب مجدّد کے مستحق ہیں ۔انہوں نے ان مسائل اختلافی پر معرکہ کی کتابیں لکھی ہیں جو سالہاسال سے فرقۂ وہابیہ کے زیر تحریر وتقریر تھیں،اور جن کے جوابات گروہ صوفیہ کی طرف سے کافی وشافی نہیں دیئے گئے تھے ۔...... جماعتِ صوفیا علمی حیثیت سے مولانا موصوف کو اپنا بہادر صف شکن سیف اللہ سمجھتی ہے،اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے ۔"

(ہفت روزہ خطیب، دہلی ۔ ۲۲؍مارچ ۱۹۱۵ء)

آپ نے خانقاہوں اور صاحبِ خانقاہ کے تقدس کی خاطر پوری زندگی جہاد بالقلم فرما کر خانقاہی نظام کو درست کرنے کا انمول ضابطۂ حیات عطا فرمایا،اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ آج پھر بیش تر خانقاہیں، ہوا، ہوس، ہاوہو میں مبتلا اپنے محسن کے لائحہ عمل سے جداگانہ ہے، ورنہ آج اگر پوری خانقاہیں امامِ اہلِ سُنّت کو اپنا قاید اور محسن مان کر آپ کے بتائے اصول پر گامزن ہو جائیں تو آج بھی خانقاہیں رشد وہدایت کا سرچشمہ بن سکتی ہیں ۔تصوف کا اصلی رمز آپ کی ذات سے فروغ پایا۔اور آج اگر خانقاہیں محفوظ ہیں، مقابر ڈھائے نہیں گئے، آثارِ مقدّسہ کی عظمت برقرار ہے تو یہ صدقہ ہے مجدد اعظم قدس سرہٗ کا۔اس لیے کسی خانقاہ یا صاحبِ خانقاہ کو چھیڑے بغیر آپ ہی کی ذات پر ہر باطل اور بدمذہب حملہ کر رہے ہیں ۔ طریقت وتصوّف کے باب میں امام احمد رضا کی یہ بھی ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ مروّجہ سلاسل کی اجازت وخلافت آپ کو حاصل تھی ۔آپ کی بارگاہ کے عقیدت کیش نے جن

سلاسل سے اجازت وخلافت طلب کی ہے، آپ نے انہیں اسی سلسلے کی اجازت وخلافت سے نوازا ہے۔ چار مشہور سلسلے قادریہ چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ ہوں یا دیگر سلاسل، آپ سبھی سلاسل کے امین وفیض بخش تھے۔ کچھ برسوں پہلے ادارہ قاری، دہلی نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے ہاتھ کا قلمی خلافت نامہ شائع کیا تھا۔ حضرت محدّث بریلوی نے یہ چشتیہ سلسلہ کا خلافت نامہ، حضرت علامہ سید غلام علی بن حضرت مولانا سید نور محمد معینی قدس سرہٗ کو عطا فرمایا تھا۔ یہ ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دستاویزی سند سے خانقاہِ رضویہ اور اجمیر مقدس کے روحانی وعرفانی تعلقات کی بھرپور نشان دہی ہوئی ہے۔ امام احمد رضا نے فن تصوّف کو بھی اپنی شاہ کار تصانیف سے گلزار بنا دیا ہے اور خانقاہی و درگاہی نظام و ادب پر بھی اپنے افکار کے جوہر دکھائے ہیں۔ درج ذیل کتابوں سے ان امور پر خوب روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً

(۱) کشف حقائق واسرارِ دقائق (۲) الیاقوتۃ الواسطہ فی قلب عقد الرابطہ (۳) انھار الانوار من یم صلوۃ الاسرار (۴) ازھار الانوار من صباء صلوۃ الاسرار (۵) مقال عرفاء۔ ان کے علاوہ دیگر تصانیف میں بھی مضامین تصوف جا بجا موجود ہیں۔ مثلاً

(۱) **الملفوظ**، جس کے جامع ومرتب حضور مفتی اعظم ہند ہیں مگر یہ آپ ہی کی مجلسی ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ اس میں مسائل تصوف کے نہاں سے نہاں اور عیاں سے عیاں گوشے پر اپنے خصوصی انداز میں لفظوں کے گوہر لٹائے ہیں۔ (۲) الدولۃ المکیہ، جو علمِ غیبِ مصطفیٰ پر آپ کی تاریخی تصنیف ہے۔ اس میں وحدتِ وجود وشہود ومعبود سے متعلق رقم طراز ہیں:

"حقیقی وجود صرف اللہ کے لیے ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا، سب سے سچی بات جو عرب نے کہی وہ لبید شاعر کا قول ہے، الا کل شیءٍ ما خلا اللہ باطل، ہمارے

نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا معنی، عوام کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور خواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں، اور اخص الخواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشہود نہیں، اور جو مقامِ نہایت تک پہنچ گئے، ان کے نزدیک یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی موجود نہیں، اور سب حق ہے، مدارِ ایمان اوّل پر ہے، مدارِ اصلاح دوم پر ہے، کمالِ سلوک سوم پر، وصول الی اللہ کا مدار چہارم پر، اللہ تعالیٰ ہمیں ان چاروں معانی سے حظ کامل عطا فرمائے، اپنے احسان و کرم سے۔ آمین۔
(الدولۃ المکیہ، ص ۳۲۴)

(۳) **فتاویٰ افریقہ**، اس میں آپ نے فلاح ظاہر، فلاح باطن، وقوع، امید، احسان، شیخ اتصال، شیخ ایصال، بیعتِ برکت، بیعتِ ارادت، شرائطِ مرشد وغیرہ پر جو نفیس ولذیذ بحث فرمائی ہے، اس کے بارے میں صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ آپ ہی کا حق و حصّہ ہے۔ مرشد کی بحث میں فرماتے ہیں: کلام اللہ وکلام الرسول، وکلامِ ائمہ شریعت و طریقت وکلامِ علماے دین، اہل رشد و ہدایت ہے۔ اسی سلسلۂ صحیحہ پر کہ عوام کا ہادی کلام علما، علما کا رہنما کلامِ ائمہ، ائمہ کا مرشد کلامِ رسول، رسول کا پیشوا کلام اللہ جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم۔ فلاح ظاہر ہو خواہ فلاح باطن، اسے اس مرشد سے چارہ نہیں، جو اس سے جدا ہے، بلاشبہہ کافر ہے یا گمراہ، اور اس کی عبادت برباد وتباہ۔ امام احمد رضا کی یہ وہ چند تصانیف، اور تصانیف میں جلوہ ریز علمی شہ پارے ہیں، جس نے تصوف کو نئی شان وشوکت عطا کی، اس کو اس کی رفعتِ گمشدہ، وعظمتِ برگشتہ سے آشنا کیا۔ نہ صرف مقام متعین کیا بلکہ مقام پر متمکن کیا، ورنہ کچھ ایسی چیزیں داخل تصوف ہو گئی تھیں، یا کر دی گئی تھیں جن کی وجہ سے پورا سرمایۂ تصوف تنقید وتضحیک کا ہدف بن کر رہ گیا تھا۔ امام احمد رضا کی ہمتِ مومنانہ، جرأتِ رندانہ، شفقتِ عارفانہ اور جسارتِ عاشقانہ نے ہر ملاوٹ سے تصوف کو پاک کر دیا۔ امام احمد رضا کے اس غیر معمولی جذبۂ تحفظِ تصوف کو سراہتے ہوئے اس کے ثمرات ونتائج پر ڈاکٹر وحید

کوثریوں اظہار خیال کرتے ہیں:

''امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف اور اس کے مسائل پر جو کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، وہ نہ صرف تصوف کے دقیق مسائل کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں واضح کرتی ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ، یہ کتابیں ان لوگوں کے لیے بھی قابل مطالعہ ہیں جو تصوف کے متعلق صحیح معلومات نہیں رکھتے، اور ان کے لیے بھی، جو تصوف کو قرآن و حدیث سے بالکل جدا سمجھتے ہیں۔ آپ کی ان تصانیف سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ تصوف سے متعلق پھیلے ہوئے غلط خیالات کو روکا جاسکا، تو دوسری طرف بھگتی تحریک کے راستے سے، ہندو فلسفے کے اثرات جو اسلامی تصوف پر نمایاں ہو رہے تھے، ان پر بند باندھا جاسکا۔ اس وقت خانقاہی نظام کے بعض جہلا نے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ بھی اسلامی تصوف کا جزو ہیں، حالانکہ بعض مسلمان صوفیوں نے معرفت کی باتیں عوام کو سمجھانے کے لیے روز مرّہ کی تشبیہوں اور عام زندگی سے متعلق واقعات کا سہارا لیا تھا، اس لیے کہ عرفانِ الٰہی کو سمجھنا ہندستان کے نو مسلم طبقے کے لیے مشکل تھا۔ ان مسلمان صوفیوں کی روایت ذرا آگے بڑھی تو گمرہی پھیلنے لگی۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف کے ذریعہ اس گمرہی کا سدّ باب فرمایا۔ آپ کی تصانیف سے صوفی کے صحیح مفہوم اور اس کے پہچان کی کسوٹی ہاتھ آسکی۔''

(قلمی نسخہ، صوفیِ باصفا، امام احمد رضا، ص ۲۸، ۲۹)

ہر مرید اپنے پیر پر اعتمادِ کلّی رکھے یہ کمالِ عقیدت ہے، اور پیر اپنے مرید پر اعتماد رکھے یہ معراجِ کمال ہے۔ حضور خاتم الاکابر کو اپنے مریدِ باوفا امام احمد رضا کے علمی تبحر اور فکری رسوخ پر اتنا اعتماد تھا کہ اپنے ولی عہد حضرت نوری میاں سے فرمایا، دیکھو!

ہماری اور ہمارے خاندان کے اکابر کی جو کتابیں شائع ہوں، مولانا عبدالقادر بدایونی اور مولانا احمد رضا کو دکھائی جائیں۔ یہ جیسے اصلاح کریں، قبول کی جائیں، پھر اشاعت ہو، ایک طرف یہ تواضع کی انتہا ہے تو دوسری طرف چاہتوں کا نقطۂ عروج کہ پیر اپنے مرید سے اپنی اور خاندان کی کتابوں پر اصلاح چاہے،اور ایسا کیوں نہ ہو کہ یہاں تو

تو من شدی، من تو شدم، تو تن شدی، من جاں شدم

تاکس نہ گوید بعد ازیں، من دیگرم تو دیگری

کا حسین منظر نظر آرہا ہے، روزِ اوّل ہی مرشد گرامی نے توجہ شبیہی ڈال کر، اپنے رنگ میں ایسا رنگ دیا کہ جب حجرۂ بیعت سے باہر آئے تو پہچان مشکل تھی کہ ان میں پیر کون ہے؟ اور مرید کون؟ صرف داڑھی کی سفیدی اور سیاہی سے دونوں میں امتیاز کیا جا سکا۔ وہ کیسا صاحب تصرف پیر ہوگا جو ایک ہی نظر میں قلبِ ماہیت کردے، اور ایک جست میں وہاں پہنچادے جہاں پہنچنے کے لیے برسوں کی ریاضت درکار ہوتی ہے۔ مگر یہ مارہرہ مقدسہ کی شان ہے۔ ہر دور میں اس خانقاہ کے افق سے ولایت کا نیّر درخشاں طلوع ہوا ہے۔ آج بھی جہاں کا ذرہ مہتاب بن کر اُبھرتا اور آفتاب بن کر چمکتا ہے۔ جو اَبر وہاں سے اُٹھتا ہے وہ کشت زارِ انسانیت پر ٹوٹ ٹوٹ کر برستا ہے۔ آخر وہ کون سا جوہر اس صدف میں پنہاں ہے کہ وہاں کا فیض یافتہ اقران وافاضل پر فائق وممتاز ہو جاتا ہے۔ طریقت کے جس ہیرے نے امام احمد رضا کی قدر وقیمت روحانی دنیا میں اتنی بڑھادی کہ موجودہ تمام خانقاہوں کی بھی وہ آبرو بن گئے، سلوک کا نشانِ عظمت اور تصوّف کا طرۂ امتیاز بن گئے۔ ہم نے جو تجسس وتفحص سے پایا ہے وہ صرف دو چیزیں ہیں، ایک ''ادب'' اور دوسری ''تواضع''۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۳۷۴) یہ دونوں وہاں ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ روح میں اتار دی جاتی اور اگر ضرورتِ مجاہدہ نہیں تو نظر کے پیمانے سے پلا دی جاتی۔ یہ وہ نشہ تھا کہ تُرشی کی کیا مجال جو اُتار دے۔ ان دو جوہروں سے لیس اور فیضِ قادری

سے فیض یاب ہو کر جب مراحل دنیا میں قدم رکھتا تھا تو جہاں وہ بیٹھ جاتا چراغِ ہدایت جل اُٹھتا تھا، جدھر نکل جاتا سر بلندی و سرفرازی کا کارواں اُتر پڑتا تھا۔ امام احمد رضا کی عالمی شہرت اور آفاقی مقبولیت اسی گوہرِ مقصود کی محسوس برکتیں ہیں، ادب و تواضع نے انہیں اتنا بلند کر دیا کہ بلندیاں ان کا منھ تکتے رہ گئیں، عظمتیں فرشِ راہ بنتی اور رفعتیں تحت قدم بچھتی چلی گئیں اور وہ ہراہیں و آن سے بلا خوف و خطر گذر گئے۔ یہ تو بلا وجہ لوگوں نے مشہور کر دیا ہے کہ وہ بڑے سخت مزاج اور متشدّد تھے، تھے، مگر کب؟ رزم حق و باطل کے وقت، ورنہ حلقۂ یاراں میں وہ ریشم سے زیادہ نرم تھے۔ ادب جس کی فطرت میں اور تواضع جس کی طبیعت میں داخل و شامل ہو وہ تُند خو کیسے ہوسکتا ہے۔ چند واقعات، ناگہانی حالات، عینی مشاہدات حاضر ہیں، آپ خود فیصلہ کیجیے کہ وہ کیا ہیں؟ انسان! یا فرشتہ؟

کسی زندگی معلوم کرنے کے لیے اس کے پڑوسیوں کا بیان خاص طور سے قابل غور ہوتا ہے، پڑوسیوں سے کچھ نہ کچھ نزاع ہو ہی جاتی ہے، اس لیے بعض ایسے بھی ملتے ہیں کہ اپنے دنیوی نقصان کے باعث اپنے نیک پڑوسیوں کی بھی بے جا شکایت کرتے ہیں۔ مگر امام احمد رضا کے پڑوسی بھی اُن کے معترف نظر آتے ہیں:

(ا) محمد شاہ خان ایک معزز زمیندار اور اعلیٰ حضرت کے پڑوسی تھے۔ عمر اعلیٰ حضرت سے زیادہ تھی۔ سید ایوب علی صاحب اور سید قناعت علی صاحب نے ایک دن دیکھا کہ یہ اپنی زمینداری و سن رسیدگی کے باوجود بڑے ادب سے آستانۂ رضویہ کی جاروب کشی کر رہے ہیں۔ سید قناعت علی صاحب کو گوارا نہ ہوا، آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے جھاڑو لینا چاہی مگر حاجی صاحب نہ مانے اور فرمانے لگے، صاجزادے یہ میرا فخر ہے کہ اپنے شیخ کے آستانۂ عالیہ کی جاروب کشی کروں۔ عمر میں، مَیں حضور سے بڑا ہوں، ان کا بچپن دیکھا اور جوانی دیکھا، اور اب بڑھاپا دیکھ رہا ہوں، ہر حالت میں یکتائے زمانہ پایا، تب ہاتھ میں ہاتھ دیا، بڑھاپے میں تو ہر کوئی بزرگ ہو جاتا ہے، انہیں بچپن سے یکتائے روزگار دیکھ رہا

ہوں۔

(۲) ایک صاحب داخل سلسلہ ہوکرکسی وظیفہ کے خواہش مند ہوئے۔ان کی داڑھی حدِ شرع سے کم تھی۔فرمایا، جب داڑھی شرع کے مطابق ہو جائے گی، وظیفہ بتادیا جائے گا۔ کچھ دنوں کے بعد پھر درخواست کی۔فرمایاکسی التماس کی ضرورت نہیں۔جب داڑھی شرع کے مطابق ہوجائے گی خود وظیفہ بتادیا جائے گا۔نفل پر واجب مقدم ہے۔

(۳) کسی عالم نے بہ نیت اعتکاف مسجد میں قیام کیا۔اور پان وغیرہ بھی کھایا، اُگال دان بھی رکھا۔بعض لوگ جوان کی نیتِ اعتکاف سے باخبر نہ تھے، معترض ہوئے۔ اعلیٰ حضرت کے پاس سوال آیا۔اعتراض کرنے والوں کو حکم مسئلہ اور مرتبۂ عالم بتاتے ہوئے تنبیہ کی۔آخر میں یہ بھی لکھا''علما کو چاہیے کہ اگرچہ خود نیت صحیحہ رکھتے ہوں، عوام کے سامنے ایسے افعال جن سے ان کا خیال پریشان ہو نہ کریں۔کہ اس میں دو فتنے ہیں۔جو معتقد نہیں، ان کا معترض ہونا، غیبت کی بلا میں پڑنا، عالم کے فیض سے محروم رہنا اور جو معتقد ہیں ان کا اس کے افعال کو دستاویز بنا کر بے علم نیت خود مرتکب ہونا۔عالم فرقۂ ملامتیہ سے نہیں کہ عوام کو نفرت دلانے میں اس کا فائدہ ہو۔مسندِ ہدایت پر ہے۔عوام کو اپنی طرف رغبت دلانے میں ان کا نفع ہے۔احیاناً ایسے افعال کی حاجت ہو تو اعلان کے ساتھ اپنی نیت اور مسئلہ شریعت عوام کو بتادے۔

(۴) غربا کی دل جوئی کا بڑا خیال تھا۔مخلص غربا کی دعوت نہ ردّ کرتے، نہ بعد میں کوئی حرفِ شکایت زبان پر لاتے۔بلکہ خدّام کو حیرت ہوتی کہ کھانا کیسے تناول فرمایا؟ تو ارشاد ہوتا، ایسی خلوص کی دعوت ہو تو مَیں روزانہ قبول کرنے کو تیار ہوں۔

(۵) خدمتِ دینی پر اپنوں کی مدح اور غیروں کی قدح، انسان کو عُجب و کبر، یا نفسانی غصۂ انتقام میں مبتلا کر دیا کرتے ہیں۔مگر امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں ''بخدا مَیں نہ اُن اکابر علما و اولیا کی مدح پر اِتراتا ہوں، نہ ان دشمنانِ خدا و رسول کی گالیوں

سے غصہ میں آتا ہوں۔خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس ناچیز کو اس قابل بنایا کہ اس کے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ناموس کی حفاظت میں گالیاں سنے۔جتنی دیر مجھے گالیاں دیتے ہیں،اتنی دیر تو میرے آقا کی بدگوئی سے باز رہتے ہیں۔

(۶) مولانا سید شاہ ابوسلمان محمد عبدالمنان قادری جو ابتداءً اعلیٰ حضرت کے مخالف تھے،انہوں نے یہ تحریری بیان دیا کہ''اعلیٰ حضرت اخلاقِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زندہ مثال ہیں۔آپ کی زیارت نے تمام وکمال،فقیر پر یہ ثابت کر دیا کہ جو کچھ بھی آپ کی تعریفیں ہوتی ہیں،وہ کم ہیں۔''

(۷) علماے اسلام کی توقیر وتعظیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیتے۔ علامہ شامی اور محقق علی الاطلاق جیسے اکابر کی باتوں پر کلام کرتے ہیں مگر ادب اور تواضع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔جبکہ آج اکابر پر اس طرح حرف گیری کی جاتی ہے کہ وہ طفل مکتب معلوم ہوں۔یہ ان لوگوں کا حال ہے جنہیں امام احمد رضا کے علوم کا پچاسواں حصہ بھی نصیب نہیں۔ایک جگہ ردالمحتار میں علامہ شامی نے فرمایا،اس اعتراض کا حل ہماری سمجھ میں نہ آیا۔اعلیٰ حضرت نے جدّ الممتار میں اس پر لکھا۔''وظھر لنا ببرکۃ خدمۃ کلماتکم'' آپ کے کلمات پر کام کرنے کی برکت سے ہمیں سمجھ میں آ گیا۔

(۸) ایک بار پیلی بھیت آتے وقت ٹرین میں تاخیر تھی،تو اسٹیشن پر آرام کرسی بیٹھنے کو دی گئی۔فرمایا،یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے۔تشریف رکھا مگر پشت نہ لگائی اور وظائف میں مشغول رہے۔

(۹) رمضان میں بعد افطار صرف پان کھالیتے اور سحری کے وقت ایک چھوٹے سے پیالے میں فیرینی تناول فرماتے۔زمانۂ اعتکاف میں ایک دن ملازم بچّہ،دو گھنٹے کی تاخیر سے پان لے کر آیا۔حضرت نے اس کو ایک چپت مار کر فرمایا،اتنی دیر میں لایا۔اس ایک چپت مارنے پر انہیں رات بھر فکر رہی۔آخر سحر کے وقت اسے بلوایا۔اور فرمایا کہ

”رات جو تاخیر ہوئی اس میں تمہارا قصور نہ تھا، بھیجنے والے کی کوتاہی تھی۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ تمہیں چپت ماری۔ اب تم میرے سر پر چپت مارو۔ ٹوپی اُتار کر اصرار فرماتے رہے۔ بچّہ دم بخود کانپنے لگا۔ ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔ حضور مَیں نے معاف کیا۔ فرمایا، تم نابالغ ہو۔ تمہیں معاف کرنے کا حق نہیں، چپت مارو۔ پھر اپنا بکس منگوا کر مٹھی بھر پیسے نکالے اور فرمایا، یہ پیسے تم کو دوں گا، چپت مارو۔ آخر خود اس کا ہاتھ پکڑ کر بہت سی چپتیں اپنے سر پر لگائیں۔ اور پھر اسے پیسے دے کر رخصت کیا۔

(۱۰) وقتِ وصال سے کچھ ایّام پہلے کا چشم دید واقعہ مولانا جعفر شاہ پھلواروی لکھتے ہیں کہ نمازِ جمعہ کے بعد اپنے ضعف و مرض کی حالت میں، درد و اثر بھری آواز میں چند وداعی کلمات کچھ اس طرح کہے، ”میری طرف سے تمام اہلِ سُنّت مسلمانوں کو سلام پہنچادو۔ اور مَیں نے کسی کا قصور کیا ہے تو مَیں اس سے بڑی عاجزی سے، اِس کی معافی مانگتا ہوں۔ مجھے خدا کے لیے معاف کردو یا مجھ سے کوئی بدلہ لے لو۔“

(امام احمد رضا اور تصوّف، ص ۵۹ تا ۶۶، ملخصاً)

ادب و تو ضع جو اسلام کا خاص عنوان اور تصوف کی جان ہے، کاش ہمارے علما و صوفیا، درس گاہیں اور خانقاہیں پھر ان جوہروں سے آباد ہوجائیں۔ صرف ان دو چیزوں کے اُٹھ جانے سے۔ رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی، کا سماں نظر آنے لگا ہے۔ خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن کی کیفیت پیدا ہو چلی ہے۔ درسگاہ سے تجلّیات اور خانقاہ سے تاثیرات رخصت ہوگئی ہیں۔ محبت، مروّت، وفا، شفقت ماضی کی روایات کے کھنڈرات میں جیسے گم ہیں۔ جہاں پیار کا ساگر چھلکتا تھا، وہاں ایک بوند کو لوگ ترس رہے ہیں۔ یہ ادب و تواضع ہی تھا جس نے تازندگی امام احمد رضا کو اخلاص پرست، اخلاق دوست اور انسانیت نواز رکھا، اور اولیاے کرام کی بارگاہ کا ایسا والہ و شیدا بنادیا کہ خاصانِ خدا پر کہیں سے بھی، کسی نے بھی، کوئی بھی جسارت کی تو فوراً دفاع فرمایا۔

ایک طرف شانِ اولیاے کرام کو مصنوعی تصوّف کی دہلیز پر بھینٹ چڑھنے سے بچایا تو دوسری طرف جرح و قدح کی صلیب پر صوفیاے اسلام کو مصلوب ہونے سے محفوظ رکھا۔

؎ بندہ مجبور ہے خاطر پہ ہے قبضہ تیرا

یہ سرکار غوث اعظم کے ایک ارشاد کا ترجمہ ہے۔ بعض حضرات کو اس پر اعتراض ہوا۔ اسی طرح

؎ حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

میں لفظ شہنشاہ پر ایک صاحب کو ممانعت کا خدشہ ہوا۔ دونوں کا مفصل جواب ایک رسالے میں جمع فرما دیا۔ 'فقہ شہنشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ' رسالہ کا نام ہے۔ اعتراض کے جواب میں دلائل کی موسلا دھار بارش اور بارگاہِ محبوبانِ خدا سے پیہم نوازش کا منظر دیکھنا ہو تو ایک بار وہ رسالہ ضرور پڑھیے۔ حضرت مخدوم جہاں، تاجدارِ بہار شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، فردوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کسی نے اعتراض کیا۔ اس کے جواب میں مکمل ایک رسالہ 'حجب العوار عن مخدوم بہار' تصنیف فرمایا۔ سارے اعتراض کی اس طرح قلعی کھول دی کہ معترض کو نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کا وظیفہ یاد دلا دیا۔ اور حضور مخدوم بہار کی عظمت اپنی اصل شان و وقار کے ساتھ ضیا بار ہوگئی۔ کتاب کا ایک نسخہ لے کر بہار شریف تشریف لائے، اور بصد عقیدت آستانہ عرش نشان پر پیش فرمایا۔ بزرگانِ دین کی بارگاہ سے بے لوث عقیدت کا یہ صلہ آپ کو ملا کہ ان خاصانِ خدا نے بھی اپنی توجہ باطنی اور مرحمت خصوصی سے آپ کو خوب خوب نوازا۔ یہ الطافِ خسروانہ نہیں تو اور کیا ہے کہ مزار کسی بھی بزرگ کا ہو، معمولاتِ اہلِ سُنّت بجا لائیے تو لوگ کہتے ہیں، بریلوی ہے۔ اولیاے کرام کے کرم کی فصل ایسی لہلہائی خصوصاً تاج دارِ بغداد، قطبِ ربّانی، حضور غوث اعظم جیلانی نے وہ توجہ فرمائی کہ اپنا نائب بنالیا۔ قطب الارشاد کے منصب پر فائز کر دیا۔ مخدوم الملت حضور محدّث اعظم ہند رضی اللہ عنہ رقم طراز ہیں:

”حضور شیخ المشائخ شاہ سید علی حسین اشرفی میاں، قدس سرہٗ العزیز وضو فرما رہے تھے، کہ یکبارگی رونے لگے۔ یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی کہ کیا کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے؟ مَیں آگے بڑھا، تو فرمایا، بیٹا! مَیں فرشتوں کے کاندھے پر قطب الارشاد کا جنازہ دیکھ کر رو پڑا ہوں۔ چند گھنٹے کے بعد بریلی کا تار ملا، تو ہمارے گھر میں کہرام پڑ گیا، حضرات والد صاحب کی زبان پر بے ساختہ تاریخ وصال جاری ہوگئی، ’رحمۃ اللہ علیہ‘۔“

(قاری کا امام احمد رضا نمبر، ص ۲۵۹)

اس واقعہ سے متحقق ہوگیا کہ منزلِ ولایت میں اعلیٰ حضرت مرتبہ قطب الارشاد پر فائز ہیں۔ بہت سے واقعات اس سلسلے میں موجود ہیں کہ اربابِ باطن کو سرکارِ غوثیت سے یہی بتایا گیا کہ ہمارا نائب بریلی میں احمد رضا ہے۔ مبلغ اسلام حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔

تمہیں پھیلا رہے ہو علم حق اکنافِ عالم میں
امامِ اہلِ سُنّت نائبِ غوث الوریٰ تم ہو

قطب کون ہوتا ہے، اس کے فرائض کیا ہوتے ہیں، اس کا دائرۂ کار و اختیار کیا ہوتا ہے، نائب غوث اعظم ہونا کتنا عظیم منصب ہے؟ ان سب پر سلطان التارکین حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ ”لطائف اشرفیہ“ میں یوں روشنی ڈالتے ہیں:

”حق تعالیٰ نے بعض اولیا کو اپنی بارگاہِ عالی کا نائب بنایا ہے۔ اور انہیں اہلِ عالم کے اُمور کی اصلاح، و بنی آدم کے حاجات کی تدبیر و تکمیل کا کام سونپا ہے۔ یہ حضرات امور کی انجام دہی میں باہم ایک دوسرے کے محتاج اور ایک دوسرے کے تعاون سے کام کرنے والے ہوتے ہیں۔ البتہ قطب تمام اہلِ عالم میں سے وہ ذاتِ واحد ہے، ہر وقت زمانے میں جس پر اللہ کی نظر رہتی ہے۔ اور وہ اسرافیل

علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے۔ وہ قطبیت کبریٰ جو قطب الاقطاب کا مرتبہ ہے، پر فائز ہوتا ہے۔ اور یہ باطنی نبوت ہے۔ پس وہ یعنی قطب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکملیت کے ساتھ مختص ہونے کی وجہ سے آپ کے باطن پر، اور آپ کا وارث ہوتا ہے۔

جب تک یہ ولایت میں قطب نہ ہوں، برکات وحسنات کا ظہور اور دنیاوی معاملات کی درستگی ممکن نہ ہوگی۔ واصلین بارگاہِ الٰہیہ جو اہل اللہ ہیں، دو قسم پر ہیں۔ ان میں سے ایک قسم وہ ہے، جنہیں دنیا کی محبت سے کوئی تعلق نہیں۔ احوالِ شریعت پر سلامتی کے ساتھ چلتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہیں جنہوں نے دنیا کو طالبانِ دنیا کے لیے چھوڑ دیا ہے، اور آخرت کو مؤمنوں پر ایثار کر دیا ہے۔ اور حق تعالیٰ کے مشاہدے میں مستغرق رہتے ہیں۔ انہیں کے لیے قطبیت کے مراتب ہیں۔ دنیا کا حل وعقد، انہیں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ وہی دعوت الی اللہ کے اہل ہوتے ہیں۔ جب دین کے معاملے میں کوئی خرابی دیکھتے ہیں، اسے دور کرنا چاہتے ہیں۔ البتہ قطب الاقطاب تمام عالم میں ایک شخص ہوتا ہے، چند ہم معنی الفاظ اس متبرک نام کے لیے بولے جاتے ہیں، غوث اعظم، قطب الدائرہ، انسانِ کامل، قطب الاقطاب، قطب الاعلیٰ، مظہر کلی، جہانگیر۔ کوئی اُمّت چارسو ابدالوں سے خالی نہیں رہتی۔ ان چارسو میں سے چالیس اوتاد ہیں۔ ان چالیس میں سے چار نقبا ہیں۔ ان چار میں سے ایک قطب ہے۔ اور کافروں کی سلامتی مؤمنوں کی برکت سے۔ اوتاد کی سلامتی نقبا کی برکت سے اور نقبا کی سلامتی قطب کی برکت سے۔"

(لطائف اشرفی ملخصاً ص ۵۶ تا ۸۴)

حضور مخدوم سمنانی کے اس گلریز، فکر خیز اور معلومات انگیز بیان سے اتنا ہر کوئی سمجھ

سکتا ہے کہ قطب، نائبِ غوث اعظم ہوتا ہے ۔اس کے فرائض واختیارات اتنے وسیع اور وقیع ہوتے ہیں کہ زمانے کی طناب اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے ۔ملکی وملّی انتظام کی باگ ڈور ان کے قبضے میں رہتی ہے ۔حالات میں انقلاب ان کے اشارے اور ایما سے آتا ہے ۔ بحیثیت قطب اعلیٰ حضرت جب نائبِ غوث اعظم ہیں تو ان تصرّفات واختیارات کی روشنی میں اُن کی حیات اور کارناموں کو دیکھنا اور سمجھنا چاہیے ۔ان کی زندگی کا مطالعہ صرف مولانا یا امام کی حیثیت سے نہیں بلکہ صوفیِ باصفا، نائبِ غوث الوریٰ کی حیثیت سے ہونا چاہیے ۔تبھی جا کر ان کی قرار واقعی عظمت کا اعتراف ہوگا۔ان کے اختیارات وتصرّفات سے کماحقہٗ آگہی مل سکے گی۔

اسی طریقے سے ان کی ذات کا عرفان اور صفات سے انصاف ہو پائے گا۔ یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ جو جس کا نائب ونمائندہ ہوتا ہے، وہ ہر لمحہ اس کی فکر ونظر میں ہوتا ہے ۔نائب کی تعریف سے اصل کو خوشی ہوتی ہے اور اس کی دل آزاری سے اصل کو بے زاری ۔تو ظاہر ہے بحیثیت نائب غوث اعظم اعلیٰ حضرت کی تعریف وتحسین سے غوث اعظم یقیناً خوش ہوں گے اور اُن کی توہین یا تضحیک سے بلاشبہہ غوث اعظم ناراض ۔اب اگر کسی کو یہ دیکھنا ہو کہ غوث اعظم اس سے خوش ہیں یا ناراض، تو وہ اپنا محاسبہ کرے کہ اعلیٰ حضرت اس سے راضی ہیں یا ناراض ۔راضی کرنے کے جو اسباب ہیں ان کو نظر میں رکھے، عمل میں لائے ۔اور ناراض کرنے کے جو وجوہات ہیں ان سے حتی المقدور دور رہے، گریز کرے ۔ورنہ ؎

خدا پناہ میں رکھے جلالِ مومن سے   نگاہ بدلی کہ عالم میں انقلاب ہوا

اسی لیے اعلیٰ حضرت کے ہم عصر تمام علما ومشائخ اپنی آسمان چھوتی عزت و شہرت کے باوصف اعلیٰ حضرت کے مدّاح ہی نظر آتے ہیں ۔شمع رضا کے گرد ہالہ و پروانہ بننے ہی میں فخر محسوس کرتے ہیں ۔مبلغ اسلام حضرت علامہ عبد العلیم صدیقی فرماتے ہیں۔

ہیں سیّارہ صفت گردش کناں اہلِ طریقت یاں

وہ قطب وقت اے سرخیل جمع اولیا تم ہو

امام احمد رضا نے فنافی الغوث ہو کر خود کو فنافی الرسول کر لیا تھا۔ اکثر مشائخ کی رائے ہے کہ جب کوئی خوش نصیب عاشق فنافی الرسول کا عظیم منصب پالیتا ہے۔ تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ ہر وقت اس کے سامنے رہتا ہے۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت ہر وقت سرشارِ ذکرِ مصطفیٰ رہتے۔ اپنی ہر ادا کو ادائے رسول کے مطابق ڈھالنے میں لگے رہتے۔ اطاعتِ رسول کی انہوں نے ایسی مثال قائم کی ہے جو رہتی دنیا تک باعثِ صد رشک و تقلید رہے گی۔ شریعت کی پابندی نے طریقت کے دَروا کر دیے۔ طریقت نے حقیقت کی منزل آئینہ کر دی۔ حقیقت نے جلوۂ محبوب میں گم کر کے معرفت کی لذت سے آشنا کر دیا۔

کہتے ہیں کہ وہ جس راہ سے گزر جاتا ہے اس راہ کے در و دیوار ذاکر ہو جاتے ہیں۔ وہ صوفیِ باصفا امام احمد رضا، جس نے اپنا انوکھا بچپن، نرالی جوانی اور انمول بڑھاپا، جس شہر میں گزارا ہو، اور تقریباً ۶۵ سال جس سرزمین کو اپنی فکرِ نوبہار اور علم شاہکار سے سینچا ہو، جہاں ملک العلما جیسے نابغہ فاضل، صدر الشریعہ جیسے عظیم فقیہ اور صدر الافاضل جیسے عہد ساز مدبّر ڈھلتے ہوں۔ جہاں علما، عرفا اور صوفیا کی بارات پر بارات اُترتی ہو، اہلِ دل کے جمگھٹے لگے رہتے ہوں۔ اس شہرِ محبت کی عظمت کو سمجھنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ عالم اسلام کے سُنّی مسلمانوں کا مرکزِ عقیدت ہے۔ کسی بھی عوامی جلسے میں آپ پکاریئے "ہمارا مرکز" ہر چہار جانب سے یہی جواب آئے گا "بریلی شریف"۔ بریلی کے جن ذروں کو امام احمد رضا نے اپنے تلوا کا جلوہ بخش دیا تھا وہ آج بھی شمس و قمر سے آنکھ مچولی کر رہے ہیں۔

جن ذرّوں نے بوسے تیرے قدموں کیلیے تھے

ان ذرّوں کو سورج کی کرن چوم رہی ہے

چند تاثرات

○ فضیلۃ الشیخ کریم اللہ، مہاجر مدنی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”مَیں سالہا سال سے مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوں۔ ہندستان سے ہزار ہا انسان آتے ہیں۔ جن میں علما، صلحا، اتقیا سبھی ہوتے ہیں۔ لیکن میری آنکھوں نے یہی دیکھا کہ وہ شہر مبارک کی گلیوں میں پھرتے رہتے ہیں۔ اور کوئی توجہ دینے والا نہیں ہوتا لیکن آپ (امام احمد رضا) کے اعزاز کا یہ حال ہے کہ عوام تو عوام، بڑے بڑے علما اور اربابِ علم وفن، اصحابِ عزت وعظمت، آپ کی طرف چلے آرہے ہیں اور آپ کے اکرام و تعظیم میں سبقت کرتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے۔“

(الاجازۃ المتنیہ ،ص ۷)

○ علامہ سید شاہ محمد قاسم رضوی قتیل داناپوری، پٹنہ، بہار:

”حضرت امام احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ، انوارِ طریقت سے بھی بھرپور ہیں۔ اور آج تک اُن کا فیض جاری ہے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ آپ مجمع البحرین ہیں۔ یعنی شریعت وطریقت کے سنگم ہیں...... آپ کے مریدین ومتوسلین کی تعداد، اللہ ہی جانے، آپ کی تصانیف نظم ونثر سے صاف ہے کہ آپ مقام 'فنافی الرسول' میں ہیں۔“

(انوارِ رضا،ص ۳۸۹)

○ حضرت علامہ محمد جلال الدین علیہ الرحمہ، کھاریاں، گجرات:

”امام احمد رضا سلسلۂ قادریہ کی ایک اہم کڑی ہیں۔ آپ کے خلفا ومتوسلین نے نہ صرف برصغیر میں، بلکہ اقصائے عالم میں علم وعرفان کی دنیا آباد کی۔ مسلم دنیا کی اکثر آبادی میں آپ کے انوار پھیلے ہوئے ہیں۔...... تصوف کی زبان اور اصطلاح میں آپ کے

منصب کو اُجاگر کیا جائے، تاکہ عامۃ الناس پر بھی واضح ہو کہ اس دور میں، غوث اعظم کے نائب اعظم، امام احمد رضا قادری ہیں۔''

(تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۳۵)

O ڈاکٹر محی الدین الوائی، جامعہ ازہر، مصر (جو مسلکاً اہلِ حدیث ہیں):

''مولانا احمد رضا بچپن ہی سے دنیاوی آرائشوں کی طرف ملتفت نہ تھے۔ لوگوں سے ملاقات و معاملات میں حلم، تواضع، بلند اخلاقی سے پیش آتے،............ آپ کی علمی سرگرمیوں میں تصوف، اتقا، پرہیزگاری کے بہترین نمونے ہیں، جس کی بنا پر آپ بہت جلد سارے برصغیر میں مشہور ہو گئے۔ اور آپ کے پاس نور و معرفت کے پروانے ہر طرف آنے لگے۔''

(انوارِ رضا، ص ۶۷۸)

O ڈاکٹر اعجاز مدنی، لائبریرین برہانی کالج ممبئی:

''اعلیٰ حضرت کی تعلیمات اور تصوف پر ان کے فکر انگیز ملفوظات، بہت گہرے مطالعہ و مشاہدہ کی دین ہیں۔ اس احتیاط و توازن کے ساتھ آپ نے کلماتِ حکمت فرمائے ہیں کہ ذرہ برابر تنقید کی گنجایش نہیں۔ اگر سالک صدقِ دل سے آپ کی راہ پر سفر اختیار کرے اور بزرگوں سے سچّی نسبت پیدا کرے تو اس کی منزل، اس دورِ ابتلا و آزمایش میں بھی کامیابی سے ہم کنار ہو سکتی ہے۔''

(تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۴۴۶)
